بیوی کی معاشی کفالت اور اس کی مختلف جہات شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

*ڈاکٹر شاہدہ پروین

Family life is outcome of marriage bond, this bond imposes some liabilities to each partner to make this life peaceful, secure and smooth running, these binds also ensure the safety and durability of this relationship. Islam injunctions such responsibilities to both spouses, these binds are according to their fields and nature as well as the needs of this companionship. Islam orders both partners to be loyal, patient, kind and benevolent to each other, especially asks husband to be caring, loving and soft to his wife and to ignore her shortcomings. Islam lays all financial burdens on the shoulders of the husband and makes free the woman from these responsibilities, so they can do their household duties well. She has to care her children and family every time, this round the clock duties, does not allow her to jump in hard and tough bread winning valleys. After marriage Islam insures her financial rights to provide her tension free environment for the upbringing of young generation and serve the home and family. According to Islamic law, spouse is responsible to meet the needs of his wife regarding to food, residence, clothing and all other necessities of life which she needs. He is the bred-winner of the family, and has to provide a separate residence, he is the supervisor of the family due to spend his money and bear the responsibility to protect and safeguard the family unit. Nowadays some husband dam care for their duties, so woman had to face hardships. This paper will highlight the responsibilities of husband in different financial dimensions especially in Pakistani society.

جب ایک عورت مرد کے نکاح میں آ جاتی ہے تو عورت کی معاشی ضروریات پورا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ شوہر کو بیوی پر ایک بلند درجہ عطا کرنے کی وجہ بھی مال خرچ کرنا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے "وَبِمَا اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ"(۱) اور اس سبب سے کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

سید سابق لکھتے ہیں" وإنما أوجب الشارع النفقة على الزوج لزوجته، لأن الزوجة

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

بمقتضى عقد الزواج الصحيح تصبح مقصوره على زوجها، و محبوسته لحقه، لاستدامة الاستمتاع بها، ويجب علها طاعته، والقرار في بيته، و تدبير منزله، وحضانة الاطفال و تربية الأولاد، وعليه نظير ذلك ان يقوم بكفايتها والأنفاق عليها، مادامت الزوجية بينهما قائمة، ولم يوجد نشوز"(۲)

معاشی کفالت سے لاپرواہی

اسلام نے عورت پر مال خرچ کرنے کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے تاکہ وہ معاشی جھمیلوں سے آزاد رہ کر نسلِ نو کی پرورش وتربیت کا کام سرانجام دے سکے۔عصرِ حاضر میں شوہروں میں یہ رجحان فروغ پا رہا ہے کہ نفقہ خوشدلی اور ذمہ داری سمجھتے ہوئے ادانہیں کرتے بلکہ عورت پر احسان اور بوجھ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں (الحمدللہ ابھی اکثریت اس مرض کا شکار نہیں ہوئی۔البتہ دن بدن اس سوچ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے) حیثیت کے مطابق خرچ دینے میں تنگی سے کام لیتے ہیں۔بعض مرد شادی کے بعد اس فکر سے بے نیاز ہو جاتے ہیں کہ وہ گھر کے معاشی سربراہ ہیں۔مجبوراً عورت کو ذرائع معاش کی تگ ودو خود کرنا پڑتی ہے۔اس طرح وہ گھر بھی چلاتی ہیں اور معاشی مشقتوں میں بھی پستی ہیں بلکہ بچوں کے ساتھ ساتھ شوہر کو بھی فکر معاش سے آزاد کرتی ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں "بعض لوگ ضروری اخراجات کھانے پینے میں بھی عورت پر تنگی کرتے ہیں۔کوئی چیز مانگی تو ڈانٹ ڈپٹ شروع ہوگئی۔اپنے آپ کو راحت دیتے ہیں۔عمدہ کھاتے،عمدہ پہنتے ہیں اور بیوی بچوں کو تکلیف میں رکھتے ہیں۔یہ بہت ہی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد خود تو بنا ٹھنا رہے اور بیویوں کو بھنگنوں کی طرح رکھے۔"(۳)

معاشی کفالت کی ذمہ داری اور شریعتِ اسلامیہ

عقدِ صحیحہ کے بعد اگر عورت تسلیم نفس کرے اور شوہر کے ہاں قیام پذیر ہو اور اس کی اجازت کے بغیر گھر چھوڑ کر نہ جائے تو اس کی مالی ضرورت پوری کرنا شوہر پر لازم ہے۔اور نفقہ کے بارے میں سید سابق لکھتے ہیں "المقصود بالنفقة هنا: توفير ما تحتاج إليه الزوجة من طعام، و مسكن، و خدمة، و دواء وإن كانت غنية" (۴) یہ اخراجات قرآن وسنت اور اجماع کی رو سے واجب ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا (۵)

اور باپ کے ذمہ ان عورتوں کا کھانا اور لباس معروف کے مطابق لازم ہے اور کسی جان کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے گی۔

ارشاد ربانی ہے۔لِيُنفِقْ ذُوسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰه. لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا (٦)

صاحب وسعت اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگدست اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے کسی شخص کو اس سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی جائے گی جتنا اس کو دیا گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا

وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (٧)

اور ان عورتوں کا کھانا اور لباس معروف کے مطابق تمہارے ذمے ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَنْ تُطْعِمُهَا اِذَا طَعِمْت، وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَبْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّافِي الْبَيْتِ (٨)

جب تم کھانا کھاؤ تو ان کو بھی کھلاؤ اور جب خود لباس پہنو تو ان کو بھی پہناؤ اور چہرے پر نہ مارا کرو اور انہیں برا بھلا بھی نہ کہا کرو۔ اور ان کو گھر کے سوا کسی جگہ چھوڑ کر نہ جاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہندہ بنتِ عتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکایت کی اور کہا''

اِنَّ اَبَا سُفْيَان رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَلَيْسَ يُعْطِيْنِيْ وَوَلَدِيْ اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ قَالَ خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدِكِ بِالْمَعْرُوْفِ (٩)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''افضل صدقہ وہ ہے جو (اہل وعیال کو) بے نیاز چھوڑے (یعنی ان کی ضروریات پوری کرنے کے بعد کیا جائے) اور بلند ہاتھ (دینے والا) نچلے (لینے والا) ہاتھ سے بہتر ہے اور آغاز اس سے کرو جس کے اخراجات کے کفیل اور ذمے دار ہو۔ عورت کہتی ہے مجھے کھلا، یا مجھے طلاق دے، غلام کہتا ہے مجھے کھلا اور مجھ

سے کام لے (بعض روایات میں آتا ہے مجھے کھلا ورنہ مجھے فروخت کردے) اور بیٹا کہتا ہے مجھے کھلا، مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ لوگوں نے پوچھا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا یہ سب باتیں تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زنبیل سے ہے (۱۰) مطلب یہ ہے کہ وابدا بمن تعول ،تک تو بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اس کے بعد کا وہ حصہ وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث رسول سے سمجھا اور استنباط کیا کہ ایک مرد جن لوگوں کے اخراجات کا ذمہ دار ہے وہ بیوی، غلام اور اولاد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسی استنباط اور قول سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے کہ نفقہ کی عدم ادائیگی خلع کا جواز بن سکتی ہے۔

حدیثِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ (۱۱) انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جن کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے ان کی خوراک روک دے۔

نفقہ کا مفہوم

فقہاء کی اصطلاح میں اس خرچ کو "نفقہ" کہا جاتا ہے "ایک شخص کا دوسرے کی محنت کے معاوضہ میں اس کی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا نفقہ کہلاتا ہے۔ (۱۲) نفقہ میں بالعموم تین چیزیں یعنی خوراک، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہیں لیکن اس میں دیگر ضروری اشیاء مثلاً صابن، تیل، پانی، دوا اور دیگر اشیاء جو عورت کے گزارہ اور آرام و آسائش کے لیے ضروری ہوں شامل ہیں۔ (۱۳) اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں کا نفقہ ان کے شوہروں پر واجب ہے جب تک وہ ان کی نافرمانی نہ کریں۔ واتفقوا على أن من حقوق الزوجة على الزوج النفقه والكسوه (۱۴)

اَبوزہرہ لکھتے ہیں أن انظام الطبعي في الوجود جعل الرجل يعمل لكسب المال، والمرأة تقوم على شئون البيت، فكانت التكليفة الماليه كلها عليه" (۱۵)

زوجہ کی کفالت کے بارے میں سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ شوہر پر لازم ہے خواہ بیوی مالدار ہی کیوں نہ ہو جبکہ ابن حزم ظاہری اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ اگر شوہر تنگدست ہو اور بیوی مالدار ہو تو شوہر سے نفقہ ساقط ہو جائے گا اور بیوی پر لازم آئے گا۔ انہوں نے وعلى الوارث مثل ذلک (۱۶) "وارث پر بھی (باپ کی طرح) لازم ہے" سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے "الزوجة وارثة فعليها نفقة الزوج بنص القرآن" (۱۷)

نفقہ میں نزاع کی دو صورتیں ہیں۔

(i) شوہر نفقہ دینے کی استطاعت تو رکھتا ہو مگر نہ دے۔

(ii) شوہر نفقہ دینے کی استطاعت ہی نہ رکھتا ہو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول "یا مجھے کھانا کھلا یا مجھے طلاق دے" سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے کہ ایسی صورت میں تفریق کی اجازت ہے۔ "وَاسْتَدَلَّ بِقَوْلِهِ (إِمَّا أَنْ تُطْعِمَنِيْ وَإِمَّا أَنْ تُطَلِّقَنِيْ) مَنْ قَالَ: يُفَرِّقُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَامْرَأَتِهِ إِذَا أَعْسَرَ بِالنَّفَقَةِ وَاخْتَارَتْ فِرَاقَهُ، وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءَ (۱۸) اس مسئلے میں جمہور علماء نے قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (۱۹) اور تم ان عورتوں کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت روکو، تاکہ تم ان پر ظلم و زیادتی کرو۔ بعض آثار صحابہ اور تابعین سے بھی مذکورہ مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ "مصنف عبدالرزاق" کے حوالے سے التعلیق المغنی علی الدار قطنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان ذکر کیا گیا ہے۔ "أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ فِيْ رِجَالٍ غَابُوْا عَنْ نِسَآءِ هُمْ إِمَّا أَنْ يُنْفِقُوْا وَإِمَّا أَنْ يُطَلِّقُوْا وَيَبْعَثُوْا نَفَقَةَ مَا حَبَسُوْا" (۲۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی بابت، جو اپنی بیویوں سے عرصۂ دراز سے دور ہیں۔ لشکروں کے اُمراء کے نام یہ لکھا کہ وہ اپنی بیویوں کا خرچ بھیجیں یا ان کو طلاق دے دیں اور جتنا عرصہ انہوں نے خرچ روکے رکھا ان دنوں کا خرچہ بھی بھیجیں۔

اس طرح مشہور جلیل القدر تابعی کا قول ہے کہ ایسا شخص جو اپنی بیوی کا نان ونفقہ مہیا کرنے سے قاصر ہے تو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کروادی جائے

۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَى امْرَأَتِهِ قَالَ (يُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا)

ابو الزناد کہتے ہیں میں نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے پوچھا کیا یہ سنت ہے؟ انہوں نے کہا یہ سنت ہے۔ یہ نہایت قوی مرسل روایت ہے۔ (۲۱) حنفیہ کا مذہب یہ کہ ایسی صورت میں عورت بطور خود اپنے نفقہ کا انتظام کرے۔ خواہ شوہر کے نام پر قرض لے کر یا محنت مزدوری کر کے، خواہ اپنے کسی عزیز سے مدد لے کر" بخلاف اس کے مالکیہ کا مذہب یہی ہے کہ ایسی صورت میں قاضی کو بطور خود طلاق واقع کر دینے کا حق ہے۔ (۲۲) مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں بعض علمائے احناف نے مالکیہ کے اس فتوے کو اختیار کرنا پسند کیا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ عورت خود نفقہ کا انتظام نہ کر سکتی ہو۔ یا اگر کر سکتی ہو تو شوہر سے علیحدہ رہنے میں اس

کے مبتلائے معصیت ہو جانے کا خوف ہو۔لیکن یہ شرط کچھ درست نہیں معلوم ہوتی قرآن مجید کی رو سے نفقہ عورت کا حق ہے جس کے معاوضہ ہی میں اس پر شوہر کو حقوقِ زوجیت حاصل ہوتے ہیں۔ جب کہ کوئی شخص قصداً اس حق کو ادا کرنے سے انکار کر رہا ہو۔تو کوئی وجہ نہیں کہ عورت کو زبردستی اس کے عقدِ نکاح میں بندھے رہنے پر مجبور کیا جائے۔ جب تک عورت کسی شخص کے نکاح میں ہے اس کی پرورش کا ذمہ دار اس کا شوہر ہے۔ ایسی حالت میں اس کو خود روزی کمانے، یا اپنے رشتہ داروں پر بار ڈالنے یا ایک ظالم شوہر کے نام سے حصولِ قرض کی غیر ممکن الحصول کوشش کرنے کی تکلیف آخر کس اصول پر دی جائے۔(۲۳)

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں فقہ حنفی میں نان ونفقہ مہیا نہ کرنے کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں۔اس میں تفریق کی بجائے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ بیوی قرض لے کر گزارہ کرتی رہے لیکن ظاہر بات ہے کہ اس مؤقف میں معقولیت نہیں آخر ایک گھریلو عورت کو زیادہ عرصے تک کون قرض دے گا؟ یا وہ کب تک قرض لے کر گزارہ کرے گی؟ پھر اس کی ادائیگی کب اور کون کرے گا؟'' چنانچہ ان مشکلات کو دیکھتے ہوئے فقہائے احناف نے بھی تفریق کی اجازت دے دی لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ معاملہ شافعی حاکم کی عدالت میں لے جا کر علیحدگی کا فیصلہ لے لیا جائے حنفی حاکم از خود فیصلہ نہ کرے'' (۲۴) نفقہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں بھی حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ عورت صبر واحتساب سے کام لے ایسی عورت کا نفقہ ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر اس کی پرورش کا بار پڑتا۔اگر وہ بن بیاہی ہوتی لیکن آئمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر عورت ایسے شوہر کے ساتھ زندگی بسر نہ کر سکتی ہو اور تفریق کا دعویٰ کرے تو تفریق کرا دی جائے گی۔امام مالک کی رائے میں شوہر کو مہینہ دو مہینہ یا مناسب مدت تک مہلت دی جائے گی۔امام شافعی صرف تین دن کی مہلت دیتے ہیں اور امام احمد کا فتویٰ یہ ہے کہ بلا تاخیر زوجین میں تفریق کرا دی جائے۔(۲۵)

اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ نفقہ استمتاع کے بدلے میں ہے یہی وجہ ہے کہ ناشزہ کو نفقہ نہیں ملتا۔پھر جب نفقہ نہ ملے تو استمتاع کا حق ساقط ہو جاتا ہے اور خیار واجب ہو جاتا ہے''**وربما قالوا النفقه في مقابلة الاستمتاع، بدليل أن الناشزه لا نفقه لها عندالجهور، فاذالم يجد النفقه سقط الاستمتاع فوجب الخيار**'' (۲٦)

جسٹس تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں'' احناف کا یہ نظریہ کہ پہلے قاضی مرد کے نام پر قرض لے کر نفقے کے اخراجات پورے کرنے کا حکم دے گا عملی طور پر متعدد دشواریوں کا حامل ہے اور یوں بھی نفقے کا مستقل

بندوبست قرض سے نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ہمارے نزدیک حاکم عدالت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا مستقبل قریب میں معاش کا کوئی امکان موجود ہے؟ اگر کوئی امکان موجود نہ ہو اور تنگی کی بناء پر اس امر کا اندیشہ ہو کہ عورت مصیبت میں مبتلا ہو جائے گی تو حاکم عدالت پر لازم ہوگا کہ وہ زوجین میں تفریق کرادے۔ البتہ ایسی صورت میں شوہر کو مناسب مہلت دینا احسان ہوگا۔ پاکستان میں رائج الوقت قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ۱۹۳۹ کی دفعہ (۲) ذیلی دفعہ (۲) کے تحت عورت کو اس صورت میں طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے جب کہ شوہر دو سال تک نفقہ دینے سے انکاری رہا ہو۔ یا اس نے فراہمی نفقہ سے غفلت برتی ہو۔ اکثر اوقات دعوے کے تصفیہ میں کئی کئی سال لگ جاتے ہیں اور عورت ایک مدت تک مصائب و آلام کا شکار رہتی ہے۔ ہمارے ملک کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر جب کہ عورت عام طور پر اپنی معاش کے حصول پر قادر نہیں۔ اس قانون میں ترمیم کرنا ضروری ہے بلکہ اگر شوہر چھ ماہ تک نفقہ دینے سے غفلت برتے یا بلاوجہ انکار کرے۔ تو عورت کو عائلی عدالت میں طلبِ تفریق کی درخواست پیش کرنے کا حق ہونا چاہیے۔'' (۲۷)

زوجہ کا سکونت کا حق

شادی کے بعد شوہر پر بیوی کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک ذمہ داری اسے رہائش کی سہولت مہیا کرنا ہے۔ اصطلاحاً یہ نفقہ میں شامل ہے۔ نفقہ میں بالعموم تین چیزیں یعنی خوراک، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہیں۔'' (۲۸) سید سابق لکھتے ہیں ''**المقصود بالنفقة هنا: توفير ما تحتاج إليه الزوجة من طعام و مسكن وخدمة، و دواء و إن كانت غنية**'' (۲۹) کنز الدقائق میں ہے **والسكنى فى بيت خال عن اهله و اهلها** (۳۰) اور شوہر پر بیوی کا ایک حق سکنیٰ یعنی مکان ہے جس میں شوہر اور بیوی دونوں کے متعلق میں سے کوئی نہ ہو۔

سکنیٰ سے متعلقہ مسائل

شادی کے بعد زوجین میں مودت و رحمت کے اظہار کے لیے ایسا گھر ہونا ضروری ہے جس میں کوئی دوسرا دخل اندازی نہ کرے۔ پاکستانی معاشرے میں یہ دخل اندازی بہت زیادہ ہے جس کی بناء پر نوع بنوع مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میاں بیوی کے باہم تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ساس بہو کا جھگڑا روایتی حیثیت حاصل کر چکا ہے اور شاید یہ حریف ہر مشترکہ گھر میں موجود ہیں۔ ''پاکستانی معاشرے میں بہو کو ساس سے اور بھاوج کو نندوں سے جو خوف و ہراس ہے وہ بے وجہ اور بے بنیاد نہیں ہے۔ آج بھی اس معاشرے میں ایسی ساسوں کی کمی نہیں جو اپنے لڑکے کو بہوؤں کے خلاف مستقل اکساتی اور بھڑکاتی رہتی ہیں۔'' (۳۱)

اگر عورت شادی کے بعد مشترکہ گھرانہ میں رہائش پذیر ہو تو کئی دینی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زیب و زینت اختیار کرے (جو کرنا انتہائی ضروری ہے) تو ستر و حجاب کی پابندیوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور اگر نہ اختیار کرے تو شوہر کی نگاہوں کو آسودگی ملنا ناممکن ہے۔ بیٹے کی شادی کے ساتھ عمومی طور پر یہ تصور وابستہ ہے کہ بہو آکر سارا گھر سنبھالے گی اسی لیے تو شادی کی ہے۔ حالانکہ بنیادی طور پر بیوی کا مقصد شوہر کو سکون و اطمینان بہم پہنچانا ہے۔ سارے گھرانے کی خدمت کر کے تھکن سے چور وہ شوہر کی کما حقہ خدمت کے قابل نہیں رہتی اور بہو کے آتے ہی کام کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا جاتا ہے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ ابھی تو ذاتی طور پر بھی زندگی کے کئی نئے مراحل سے گزر رہی ہے۔ اپنے ماں، بہن بھائی، گھر اور ماحول چھوڑ کر بالکل نئے ماحول میں داخل ہوئی ہے۔ اور اگر وہ تھکاوٹ، سستی یا ناتجربہ کاری کا مظاہرہ کرے تو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ اس کا سینہ چھلنی کر دیتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کا مزاج کڑوا ہو جاتا ہے اور مزاج کی یہ کڑواہٹ میاں بیوی کی عائلی زندگی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات ان اسباب کی بنا پر حالات اتنے تلخ ہو جاتے ہیں کہ عائلی زندگی کا برقرار رہنا ناممکن ہو جاتا ہے اور اگر علیحدہ رہائش کی خواہش کی جائے تو وہ بھی مشکل میں ڈال دیتی ہے کیونکہ شادی بیاہ پر اسراف معمول بن چکا ہے۔ اور مرد بعض اوقات پورے خاندان مثلاً بہت سے بہن بھائیوں اور والدین کا کفیل ہوتا ہے اب اگر وہ علیحدہ رہائش اختیار کر لے تو مالی مسائل میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ مشترکہ رہائش کی صورت میں خواتین باہم ایک دوسری کے کام پر اعتراض اور نکتہ چینی کرتی ہیں۔ غیبت میں مصروف رہتی ہیں اور دیگر کئی اخلاقی معائب کا شکار ہوتی ہیں۔ ''گھر پر سالوں سے چھائی ہوئی دو تین عورتیں جب ایک نئی عورت کو اس دائرے میں داخل ہوتا دیکھتی ہیں تو بالعموم اس کا جینا دوبھر کر دیتی ہیں جب کہ شوہر یکطرفہ سماعت رکھتے ہیں'' (۳۲) اسی طرح اچھے بھلے نوجوانوں میں ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب یہ بنا کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی ان کی زندگیاں اپنی بیویوں سے دور رہ کر گزاریں اور میاں بیوی نہ تو ایک دوسرے کا مزاج معلوم کر سکے اور نہ ہی آپس میں مکمل تعارف ہو سکا جس کی وجہ سے دونوں کو حقیقی سکون نہ مل سکا۔ وجہ یہ ہوئی کہ شادی کے چند دن بعد ہی سے صبح اٹھتے ہی بیوی صاحبہ کو باورچی خانے میں حاضری دینا پڑی اگر ذرا سی بھی دیر ہو جائے تو جیٹھانی صاحبہ یا دیورانی صاحبہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے اپنے شوہروں کو...... اور ساس کو...... اور چھوٹی نندیں بھائی کو...... ساس صاحبہ سسر صاحب کو شکایتیں لگانے میں ذرا دیر نہیں کرتیں۔'' (۳۳)

عورت کو ساس اور شوہر دونوں کا ڈسپلن قبول کرنا پڑتا ہے۔ اگر خاندان میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو

اس کو ملزم گردانا جاتا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے متعلق جداگانہ برتاؤ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹیوں اور بہنوں کی ہر چیز انگیز کر لی جاتی ہے لیکن بہو اور بیوی پر نکتہ چینی ہوتی رہتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے خاندانوں میں جو کشیدگیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا بخار بہو اور بیوی پر نکالا جاتا ہے۔" (۳۴) "ایک طرف والدین کی اطاعت کی روایتی صورتِ حال یہ ہے کہ انہی کے کہنے پر شادیاں کی جاتی ہیں اور انہی کے اصرار پر طلاقیں دی جاتی ہیں۔ جبکہ اپنی پسند، ناپسند اور خواہشات کو بالجبر دبا دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ردِ عمل کی ایک فضا پیدا ہو رہی ہے۔ لڑکے اپنی مرضی سے دلہنیں بیاہ لاتے ہیں اور انہیں گھر کی مالکہ بنا کر بٹھا دیتے ہیں اور ماؤں بہنوں سے نوکرانیوں والا سلوک کرتے ہیں۔ دلہن کو اتنی جرأت اور اعتماد بخش دیتے ہیں کہ ان کے جارحانہ رویے سے ماں تھر تھر کانپتی ہے حتیٰ کہ ماں کی ضروریات اور بنیادی حقوق کے لیے بھی بہو کی اجازت ضروری ہے۔" (۳۵)

حقِ سکنیٰ اور شریعتِ اسلامیہ

اسلام نکاح کو قلعہ کی مانند قرار دیتا ہے اور مرد پر لازم کرتا ہے کہ وہ بیوی کی رہائش کے لیے گھر مہیا کرے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ (۳۶)

ان کو وہیں رہائش دو، جہاں تم رہتے ہو۔ اپنی حیثیت کے مطابق دو۔ ان کو نقصان نہ دو ان کو تنگ نہ کرو۔ اگرچہ یہ آیت مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے لیکن اگر عورت طلاق کی عدت میں نفقہ و سکنیٰ کی مستحق ہے۔ تو بیوی تو بدرجہ اولیٰ حق رکھتی ہے۔

ابنِ قدامہ لکھتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ "بیوی کو نفقہ دینا خاوند پر واجب ہے مگر یہ کہ وہ نافرمان ہو" (۳۷) نفقہ میں بالعموم تین چیزیں یعنی خوراک، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہیں۔ (۳۸) معاشرہ کے ہر فرد کو اس کے بیوی بچوں کے لیے الگ مکان کی سہولت حاصل ہونی چاہیے جس کے انتظام میں وہ خود مختار ہو اور دوسری کی مداخلت سے آزاد ہو۔ قرآن کی تصریحات اور اس کے واضح اشارات اس کے حق میں ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں کہیں وہ کوئی حکم بیان کرتا ہے۔ مکان کا تذکرہ ہر شخص کے لیے الگ کرتا ہے۔

فرمایا يَاۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ (۳۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو۔

ازواج کے لیے الگ رہائش

اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کی الگ الگ رہائش کا بندوبست کرنا بھی خاوند پر فرض ہے۔ الایہ کہ ایک سے زائد بیویاں ایک ہی گھر میں رہنے پر رضامند ہوں مگر بالعموم ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے انہیں الگ رہائش مہیا کرنا ہی مبنی بر انصاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو الگ گھر مہیا کیا تھا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (۴۰)

اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔

اسی طرح آگے ارشاد ہوا وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ (۴۱)

ایک اور مقام پر ارشاد ہو۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ (۴۲)

ان تینوں آیات میں ''بیوت'' کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ ازواج کے گھر الگ الگ تھے۔

یہاں تک کہ قرآن کی ایک سورہ کا نام ہی حجرات (حجرہ، کمرہ، مکان کی جمع) قرار پایا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام بیویوں کے مکانات الگ الگ ہونے کی صراحت ہے۔ جفاکش بدو جو آدابِ تہذیب سے ناآشنا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر کمرہ کے پیچھے سے تیز تیز آواز دیتے تھے۔ اس لیے کہ انہیں پتہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواجِ مطہرات میں سے کس کے کمرے میں ہیں۔ (۴۳)

فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ (۴۴) بے شمار روایات سے بھی ایک دوسرے کے گھر تحفہ بھیجنے اور مالی معاملات الگ الگ ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔ (۴۵)

اسی لیے فقہاء کا کہنا ہے **ولیس للرجل ان یجمع بین امرأتیه فی مسکن واحد** (۴۶)

خاوند اپنی دو بیویوں کو ان کی رضامندی کے بغیر ایک ہی گھر میں اکٹھا رکھنے کے مجاز نہیں خواہ وہ گھر چھوٹا ہو یا بڑا۔ کیونکہ سوکنوں کی باہمی عداوت اور غیرت کی وجہ سے فساد ہوتا ہے۔ اور انہیں ایک ہی گھر میں رکھنا گویا انہیں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے پر ابھارنے کے مترادف ہے۔

سسرال سے الگ رہائش

اگر بیوی سسرال کے ساتھ نہ رہنا چاہے اس کی وجہ خواہ طبائع کا اختلاف ہو یا باہم لڑائی جھگڑا۔ تو اسے مشترکہ رہائش اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ''مرد پر واجب ہے کہ وہ عورت کو علیحدہ مکان میں رکھے یا

مکان کے کسی علیحدہ حصے میں جس کا راستہ علیحدہ ہو۔ البتہ اگر وہ خود چاہے تو خود اپنی مرضی سے شوہر کے والدین یا رشتہ داروں کے ساتھ رہ سکتی ہے۔(۴۷) شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کو سکنیٰ مہیا کرے۔ وہ رہائش گاہ جس میں شوہر کے بلانے پر نہ آنے کی صورت میں عورت ناشرہ کہلائے گی؟ اس میں چار شرائط کا ہونا لازم ہے۔

۱۔ یہ گھر شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق ہو۔ خواہ یہ ایک پورا مکان ہو یا مکان کا ایک حصہ ہو یا ایک کمرہ ہو اس میں عرف کے مطابق شوہر کی خوشحالی یا تنگدستی کا اعتبار کیا جائے گا۔

۲۔ اس میں شوہر کے گھر والے نہ ہوں۔ یہاں تک کہ کسی دوسری بیوی کی بڑی اولاد بھی نہ ہو۔ سوائے صغیر غیر ممیز کے۔

۳۔ اس میں تمام شرعی سہولتیں میسر ہوں۔

۴۔ وہ ایسے نیک ہمسائیوں کے پاس ہو جن سے مال و جان محفوظ ہوں۔ (۴۸) باہم ایک دوسرے سے اختلاف اور نزاع سے بچنے کی یہ بہترین صورت ہے کہ اختلاف کی وجہ مشترکہ رہائش کو ہی ختم کیا جائے۔ یکجائی کی معاشرت میں تعلقات کی خرابی کی شاید یہی ناگزیر صورت ہے جس کے پیشِ نظر خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب اپنے گورنر ابوموسیٰ اشعری کو لکھا تھا۔ مر ذوی القرابات ان یتزاوروا او یتجاوروا. رشتہ داروں کو حکم دو۔ (اپنے گھروں کو ایک دوسرے سے دور رکھیں) آپس میں ایک دوسرے سے ملنے جائیں۔ (گھروں کو قریب کر کے) ایک دوسرے کے پڑوسی نہ بنیں۔ ایک دوسرے حکیم اکثم بن صیفی نے بھی اس سلسلے میں بڑے پتے کی بات کہی ہے تبا عدوا فی الدار تقاربو فی المودة(۴۹)

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں۔ اور نفقہ کا ایک جزو بیوی کو رہنے کے لیے گھر دینا ہے۔ اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر لوگ مبتلا ہیں وہ یہ کہ بیوی کو جداگانہ گھر دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے۔ بس اپنے عزیزوں رشتہ داروں میں عورت کو لا ڈالتے ہیں۔ سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام کرنا واجب ہے۔ اور یہاں بھی راضی ہونے کے یہی معنی ہیں کہ طیب خاطر سے راضی ہو حتیٰ کہ اگر مرد کو پختہ قرائن سے معلوم ہو جائے کہ وہ علیحدہ رہنا چاہتی ہے مگر زبان سے درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا۔ یعنی سب کے ساتھ رکھنا جائز نہیں۔ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھری یا کمرہ ایسا کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اس میں وہ اپنا مال و اسباب تالا لگا کر رکھ سکے۔ اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں

کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اٹھ سکے۔ بات چیت کر سکے یہ واجب کے ادا کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ چولہا تو ضروری علیحدہ ہونا چاہیے زیادہ تر آگ اسی چولہے سے ہی بھڑکتی ہے۔" (۵۰)

پاکستانی معاشرہ میں رہائش کا حل

اسلام کی مجموعی تعلیمات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شادی کے بعد لڑکا ہو یا لڑکی، ہر ایک ذمہ دار کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ اس لیے شادی کے بعد خانگی امور سے لے کر ازدواجی مسائل تک ہر معاملے میں شرعی طور پر بیوی صرف اپنے خاوند کی مطیع ہے اور اسے رہائش کے لیے ایسا ماحول چاہیے جہاں وہ اپنی خانگی و ازدواجی ذمہ داری بخوبی پوری کر سکے۔ خواہ وہ ماحول مشترکہ رہائش میں اسے میسر آئے خواہ غیر مشترکہ میں۔ اسلام کا رجحان غیر مشترکہ رہائش کی طرف ہے۔ آج تک عرب معاشرے میں یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ لڑکے کی شادی سے پہلے اس کی الگ رہائش کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ اور شادی کے فوراً بعد وہ نئے گھر سے نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں مشترکہ رہائش کا کلچر ہے۔ اس نظام کی بہت سی خوبیوں کے ساتھ اس میں خامیاں بھی ہیں شادی کے بعد ایک مرد اور عورت کو باہمی سمجھوتے کے لیے جس طرح کا ماحول چاہیے وہ مشترکہ رہائش میں عام طور پر میسر نہیں آتا۔ اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ساس اور نندوں سے طنزیہ جملے سننے سے تلخ کلامی اور باہمی نفرت کے جذبات بھی پروان چڑھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ یا تو ساس اس بہو کو طلاق دلوا کر گھر سے نکال دیتی ہے یا پھر بہو غالب آ کر شوہر کو گھر والوں سے علیحدہ کر لیتی ہے۔ یا اسی گھر میں رہتے ہوئے اپنا سکہ جما لیتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ غربت مہنگائی اور بدامنی کی وجہ سے ہر شخص کے لیے ہر ممکن نہیں کہ شادی کے بعد الگ رہائش مہیا کرے۔ اگر مشترکہ رہائش ہو تو ساس کو چاہیے کہ بہو کو بیٹی کا درجہ دے۔ بہو کے جذبات و احساسات کا خیال رکھے۔ اس کی غفلت کو نظر انداز کر دے۔ شادی کے بعد پیدا ہونے والی فطری تبدیلی کو قبول کرے۔ میاں بیوی کے معاملات میں مداخلت نہ کرے۔ بہو کو چاہیے کہ وہ بھی سسرال کو میکے کی طرح عزت دے۔ ساس اور نندوں کو حریف نہیں حلیف خیال کرے۔ خاموشی اور صبر کے ساتھ ان تکلیف دہ مراحل سے گزرنے کی کوشش کرے۔

شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام کرے خواہ ایک دو کمروں پر مشتمل کوئی چھوٹا سا گھر ہی کیوں نہ ہو اپنے حالات اور استطاعت کے مطابق بیوی بچوں اور والدین کے واجبی اخراجات الگ الگ مہیا کرے۔ شادی کے بعد فطری طور پر بیوی بچوں سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ ماں

باپ کو نظر انداز کر دیا جائے۔شروع شروع میں ماں باپ اس تبدیلی کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔اس لئے بیٹے کو خود شعور ہونا چاہیے کہ ماں باپ کو بھی وقت دیا جائے۔رہائش مشترکہ ہو تو دن میں ایک آدھ مرتبہ ان کے پاس بیٹھ کر کھانا کھالے۔گھر میں کھانے پینے کی کوئی اچھی چیز لائے تو والدین کی خدمت میں پہلے پیش کرے بیوی بچوں کو نئے کپڑے لا کر دے تو ماں باپ کو بھی نظر انداز نہ کرے۔ماں باپ کے ہر اس مطالبے میں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا پورا لحاظ رکھے جو شرعاً ناجائز نہ ہو۔ماں باپ بڑھاپے میں خصوصی توجہ اور احسان کے محتاج ہوتے ہیں۔ان کی خدمت خود بھی کرے۔سارا بوجھ بیوی پر ہی نہ ڈالے۔رہائش اگر مشترکہ ہو تو بیٹے کو گھر کے معاملات سے باخبر رہنا چاہیے۔والدین کی مشاورت سے گھر کے کام کاج تقسیم کرنے چاہیں۔نہ بیوی کو کسی پر زیادتی کرنے دے اور نہ اس پر ظلم ہونے دے۔نہایت حکمت ودانش سے قدم اٹھائے۔شوہر کو چاہے کہ بیوی کو باپردہ ماحول فراہم کرے اور اس کے دیوروں جیٹھوں کو اتنی ڈھیل نہ دے کہ وہ اس کی بیوی پر حاکم بن کر آڈر جاری کرتے رہیں۔"(۵۱)

شوہر کی عدم موجودگی میں بیوی کی سکونت کا انتظام

بعض لوگ شادی کے بعد بیوی کو سسرال میں چھوڑ کر ایک طویل عرصے کے لیے بیرون ملک ملازمت کے لیے چلے جاتے ہیں۔جس سے بے شمار اخلاقی اور معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں اولاً تو شوہر کو حد سے زیادہ طویل عرصے کے لیے بیوی سے غائب نہیں رہنا چاہیے۔

شریعتِ اسلامیہ نے اس کی حد چھ ماہ تک مقرر کی۔قرآن کریم نے ایلاء کی مدت چار ماہ مقرر کی ہے۔(۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کو ہر چھ ماہ بعد گھر آنے کا حکم دیا۔(۵۳)

میاں بیوی کی رضامندی سے یہ سفر اختیار کرے اور اپنی عدم موجودگی میں اس کی رہائش کا مناسب انتظام کرے۔اکثر یہ حادثات پیش آتے ہیں کہ یا تو بیوی کسی اخلاقی برائی کا ارتکاب کر بیٹھی یا عفت ماب عورت کو سسرال نے طرح طرح کے الزام لگا کر شوہر سے طلاق دلوادی۔اس کے لیے ایسی رہائش کا انتظام کرے جس میں اس کو اخلاقی تحفظ کے ساتھ ساتھ معاشرتی پناہ بھی میسر ہو۔

شوہر کی خدمت کی شرعی حیثیت

اہل وعیال کا دھیان رکھنا،بچوں کی بہترین پرورش کرنا،گھر کا نظم ونسق عمدہ انداز میں چلانا اور شوہر کی مقدور بھر خدمت کرنا عورت کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔گھر کے اندرونی معاملات کی انجام دہی عورت

کے ذمہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور ہر کسی سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ حاکم بھی نگہبان ہے۔ اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا مرد اپنے گھر والوں کے بارے میں نگہبان ہے اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا۔ (۵۴) محنت وکوشش کے ساتھ باہر سے کما کر گھر میں اخراجات مہیا کرنا مرد کا عمل ہے اور عورت کے ذمے اس آمدنی سے ضرورت وحاجت کے مطابق غذا وغیرہ تیار کرنا ہے۔ خاوند اور بیوی کے تعلقات میں بنیاد یہ ہے کہ مرد اور عورت کے حقوق و واجبات میں برابری ہے۔

اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ (۵۵)

اور انہیں اسی طرح حق ملیں گے جس طرح ان پر مناسب طریقے سے لازم ہیں اور مردوں کو ان پر درجہ حاصل ہے۔

یہ آیت عورتوں کو اس طرح حق دے رہی ہے جس طرح ان پر مردوں کے حق میں جب عورت سے کسی چیز کا مطالبہ ہوگا تو مرد سے بھی اسی طرح مطالبہ ہوگا۔ خاوند اور بیوی میں باہم عمل اور آپس میں زندگی کو منظم کرنے کی جو بنیاد اسلام نے مقرر کی ہے وہ ایک فطری بنیاد ہے۔ مرد باہر کے کام، محنت، کمائی پر زیادہ قادر ہوتا ہے جب کہ عورت گھر کو سنوارنے، بچوں کی تربیت اور گھر میں راحت واطمینان کا ماحول مہیا کرنے کی زیادہ قدرت رکھتی ہو۔ مرد کو اس کے مناسب حال کام کا مکلّف بنایا جاتا ہے جب کہ عورت کو اس کا مکلّف بنایا جاتا ہے۔ جو اس کی طبیعت کے موافق ہے۔ اس طرح گھر کے اندر اور باہر ہر پہلو سے ایک نظام بن جاتا ہے۔ اس طرح خاوند اور بیوی میں سے کسی کو اپنے لیے گھر کے اسباب کی تقسیم کا سبب مقرر نہیں کرنا پڑتا۔

کیا گھریلو کام عورت کی ذمہ داری ہیں؟ اس بارے میں دو نقطہ ہائے نظر ہیں۔

(۱) پہلا موقف امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عورت پر اس کے خاوند کی خدمت واجب نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عقدِ زواج کا مقصد تو محض فائدہ حاصل کرنا ہے۔ خدمت کرانا نہیں ہے۔ ان کے نزدیک، شوہر کی فطری ضرورت پوری کرنا، بچوں کی پیدائش و پرورش عورت کی ذمہ داری ہے۔ (۵۶) قانوناً گھر کے نظم ونسق کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے بلکہ یہ دیانتاً اس پر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ 'وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا.' (۵۷)

اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور قرآن میں عورتوں کے حمل کی تکلیف برداشت کرنے (۵۸) اور بچوں کو دودھ پلانے کا حکم ہے۔(۵۹)

امام ابن حزمؒ کہتے ہیں ولا یلزم المرأة أن تخدم زوجها فی شی أصلا لافی عجن ولا طبخ، ولا فرش، ولا کنس، ولا غزل، ولا نسج ولا غیر ذلک اصلاً ولو أنها فعلت لکان أفضل لها." (۶۰) امام ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ صحابیات کا خدمت کرنا تطوع کے طور پر تھا اور یہ افضل ہے جہاں تک لزوم کا تعلق ہے تو عورت اگر جنسی ضرورت پوری کر دیتی ہے تو وہ اپنا فرض ادا کرتی ہے

فرمایا فَإِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (۶۱)

حدیث میں ہے کہ "أَنَّ لَهُنَّ عَلَيْنَا رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۶۲)

تو اس میں رزق سے مراد وہ رزق ہے جو کھایا جا سکے یعنی تیار کھانا دینا لازم ہے اور پہناوا سے مراد سلا ہوا لباس ہے۔"

(۲) دوسرا موقف یہ ہے کہ گھریلو کام اور شوہر کی خدمت عورت کی ذمہ داری ہے۔ احادیث میں صحابیات کا عمل اور عرف اس پر دلیل بنتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ الرجال قوامون علی النساء (۶۳)

مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں اگر ہم خاوند پر خدمت واجب کر دیں کہ وہ بیوی کے کپڑے دھوئے، کھانا پکا کر دے۔ پانی حاضر کرے، گھر صاف کرے پھر تو بیوی حاکم بن جائے گی اور خاوند محکوم بن جائے گا۔ (۶۴) اس لیے ضروری ہے کہ بیوی گھر کے تمام کام ازخود انجام دے بلاوجہ کسی ایسی خادمہ کو باہر سے بلانے پر مجبور نہ کرے جس سے وہ پریشانی میں مبتلا ہو یا اس کی اولاد کو فتنہ سے دوچار پڑے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ میں لکھتے ہیں فرمان الٰہی "فالصلحت قنتت حفظت للغیب بما حفظ الله" (۶۵) پس نیک عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں اور خاوند کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں۔ آیتِ مبارکہ اس امر کی متقاضی ہے کہ عورت کے اوپر اپنے شوہر کی خدمت گزاری اس کے ساتھ سفر، اپنے آپ کو اس کے قابو میں دینے یعنی لطف اندوز ہونے کے لیے اور دیگر امور میں مطلق اطاعت واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مبارکہ سے بھی اس کا پتہ

چلتا ہے۔(٦٦)

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں" خاوند کی خدمت گزاری کو جن علماء نے عورت پر لازم اور واجب قرار دیا ہے ان کا استدلال اس امر سے بھی ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مخاطب بنایا ہے۔ ان کے نزدیک یہی چیز معروف تصور کی جاتی ہے۔ لیکن اگر یہی کام شوہر کرنا شروع کر دے۔ یعنی شوہر کا عورت کو آرام پہنچانا، اس کی خدمت گزاری کرنا، جھاڑو دینا، آٹا گوندھنا، کپڑے دھونا، بستر لگانا اور گھریلو ذمہ داریوں کو بجالانا منکر کاموں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اب اگر عورت شوہر کی خدمت نہ کرے بلکہ شوہر ہی عورت کا خادم بن کر رہے تو عورت کو مرد پر قوامیت حاصل ہوگی۔ عورت سے استفادہ اور اس کی خدمت گزاری کے عوض مرد پر عورت کے نان ونفقہ رہائش اور اس کے لباس وغیرہ کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ مزید برآں کسی بھی دو اشخاص کے مابین طے پانے والے عام معاہدہ کو عرفِ عام پر ہی محمول کیا جاتا ہے اور عرف عام میں خدمت گزاری اور اندرون خانہ کی ضروریات کی انجام دہی عورت کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں شریف وغیر شریف، فقیر و مالدار کے درمیان فرق روا رکھنا درست نہیں ہے۔ دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے شریف خاتون سیدہ فاطمہؓ اپنے شوہر کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہوکر خدمت گزاری کی شکایت کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شکایت نہیں سنی۔(٦٧)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آلا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَآءِ خَيْراً فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ (٦٨)

ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ فرماتے ہیں عانی اسیر (قیدی) کو کہتے ہیں اور اسیر کا مرتبہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے صاحب کی خدمت کرے۔"(٦٩)

علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں اگر عورت خدمت نہ کرے اور خاوند کو سارے کام کرنے پڑیں گے تو اس کے دو متضاد نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ خاوند کی ذمہ داریاں دوہری (حصولِ رزق اور خانہ داری) ہو جائیں گی۔ دوسرے یہ کہ عورت عضوِ معطل ہو جائے گی اور اس کا فساد شریعتِ اسلامیہ میں کسی پر مخفی نہیں کہ جس شریعت نے مرد وزن کے حقوق و فرائض برابر رکھے بلکہ مرد کو اضافی فضیلت دی۔(٧٠) مسلمانوں کے علاقوں میں پہلے بھی اور اب بھی وہی رواج ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیھم کی بیویاں آٹا پیسنا، روٹی، کھانا پکانا، بستر بچھانا اور کھانا پیش کرنا اور دیگر کام کیا کرتی تھیں۔ ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی نے اس سے انکار کیا ہو۔ نہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش ہے۔

بلکہ وہ اس میں کوتاہی کی وجہ سے انہیں مارتے تھے۔ وہ خدمت کی بنیاد پر ہی انہیں اپنے پاس رکھتے تھے۔ اگر وہ اس کی مستحق نہ ہوتیں تو وہ ان سے مطالبہ نہ کرتے'' (۷۱)

بخاری اور مسلم نے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چکی کی وجہ سے ہاتھوں میں آنے والی تکلیف کی شکایت کرنے اور خادمہ لینے آئیں۔ تو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جس کا تم نے سوال کیا ہے جب تم اپنے بستروں پر آؤ تو ۳۳ دفعہ سبحان اللہ ۳۳، دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے۔ (۷۲)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خادمہ کی وجہ سے پریشانی کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان یہ فیصلہ کیا تھا کہ اندرونِ خانہ کام حضرت فاطمہؓ کی ذمہ داری ہوں گے اور بیرونِ خانہ کام کی ذمہ داری حضرت علیؓ پر ڈالی۔ (۷۳)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتی ہیں ''میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی خدمت، سارے گھر کی خدمت کرتی تھی۔ ان کا ایک گھوڑا تھا میں اس کے زخم درست کرتی۔ اس کے لیے گھاس لاتی۔ اسے پانی پلاتی۔ ڈول گانٹھتی، آٹا گوندھتی اور دو تہائی فرسخ سے اپنے سر پر گٹھلیاں لاتی تھیں۔ (۷۴) حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کی اپنے خاوند کی اس خدمت کو دیکھا تو یہ نہیں کیا کہ تم پر کچھ خدمت لازم نہیں بلکہ انہیں خدمت پر برقرار رکھا۔

ابن القیم کہتے ہیں اس امر میں کوئی شک نہیں اور اس میں اونچے درجے اور کم درجے کی عورت میں کوئی فرق نہیں اور نہ مالدار اور فقیر میں کوئی فرق ہے۔ جہاں کی عورتوں میں اعلیٰ عورت (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ) اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت لائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شکایت نہیں سنی۔ (۷۵)

اخلاقی ذمہ داری

اگرچہ عرف یہی ہے کہ عورت ہی گھر کے کام کرتی ہے لیکن بچوں کی پیدائش و پرورش، گھریلو امور کی انجام دہی میں عورت انتہائی مصروف ہوتی ہے۔ حتیٰ الوسع ان کاموں میں اس کے لیے آسانی پیدا کرنا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے تاکہ اس پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ازدواجی زندگی کی گاڑی حقوق و فرائض کی جنگ سے نہیں چلتی بلکہ باہم، محبت، ایثار و قربانی کے جذبے سے چلتی ہے کہ

دونوں ایک دوسرے کے کام اپنے ذمے لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بسا اوقات خاوند کو بیوی کے کام بھی اپنے ذمے لینے پڑتے ہیں۔ جب وہ بیمار و معذور ہو جاتی ہے اور کبھی خاوند کی طرح عورت کو خود کمائی کر کے بچوں کی پرورش کرنا پڑتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں گھر آتے تو گھر والوں کی خدمت میں مصروف ہو جاتے۔(۷۶)

حدیثِ ابوزرع جس میں ابوزرع کا قصہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ میں تمہارے لیے ابوزرع جیسا ہوں ام زرع نے اس میں ابوزرع کی ایک خوبی یہ بھی بیان کی کہ اس نے مجھے خادم مہیا کر دیا اور میں سارا دن خوب سوتی تھی۔(۷۷)

علاوہ ازیں حضرت اسماء کی اپنے شوہر کی خدمت والی حدیث کے آخری الفاظ پر غور کیا جائے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام ان کی ہمت سے بڑھ کر تھا فرماتی ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام عطا کیا جس کی وجہ سے گھوڑے کی دیکھ بھال سے مجھے نجات مل گئی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے غلامی سے نجات دلا دی۔(۷۸) لہٰذا احسنِ معاشرت کا تقاضا ہے کہ عورت پر کام اس کی وسعت سے زیادہ نہ ڈالا جائے۔ اگر ذمہ داریاں زیادہ ہوں تو خود یا خادم کے ذریعے مدد کی جائے۔ اسی لیے فقہا نے لکھا ہے اگر شوہر تنگدست ہو اور بیوی گھر کے کام کی اہلیت رکھتی ہو تو شوہر پر خادم کا نفقہ لازم نہیں ہے۔ اگر شوہر خوشحال ہو یا عورت بیماری یا کسی اور سبب کی بناء پر کام نہ کر سکتی ہو تو اس کے لیے نوکر اور اس کی دیگر ضروریات مہیا کرنا شوہر پر واجب ہے۔(۷۹)

سسرال کی خدمت کی شرعی حیثیت

شادی کے بعد ایک عورت نئے خاندان میں شامل ہوتی ہے۔ اس کے شانوں پر زندگی کی کئی ذمہ داریاں آن پڑتی ہیں۔ شوہر کی اطاعت اور خدمت اس پر لازم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اہلِ خاندان کے ساتھ بھی حتی الوسع بھلائی کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ لیکن یہ اخلاقی ذمہ داری رفتہ رفتہ اس کے اوپر اس طرح لازم کر دی گئی ہے۔ کہ گویا وہ بہو نہیں بلکہ ایک خادم لائی جا رہی ہے۔ مسائل کا انبار اس کی زندگی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے جس کی بناء پر وہ بعض اوقات شادی کے بنیادی مقصد (شوہر کو سکون دینا) کو بھی پورا نہیں کر پاتی۔ منیر احمد خلیلی لکھتے ہیں۔ ”ہماری دیہی معاشرت میں بالخصوص اور بعض شہری کنبوں میں عموماً مشترک خاندانی سسٹم رائج ہوتا ہے۔ اس سسٹم میں کچھ خوبیاں ضرور ہیں لیکن قباحتیں اور خرابیاں کہیں زیادہ ہیں۔ ایک نو بیاہتا لڑکی ایسے کنبوں میں ایک شوہر کی بیوی ہی بن کر نہیں آتی بلکہ پورے سسرالی گھرانے کی

خادمہ سمجھ کر لائی جاتی ہے۔شوہر تو اُس کا دیوتا باور کرایا ہی جاتا ہے جس کی ''پوجا'' دلہن پر واجب ہوتی ہے۔ اُس کی جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل بیوی کو نی پڑتی ہے۔اُس کی غیر مشروط اطاعت لازم گردانی جاتی ہے۔لیکن اس سے کچھ آگے بڑھ کر دُلہن سے یہ تقاضا بھی کیا جاتا ہے کہ وہ شوہر کے سارے خاندان کی چاکری کرے۔دیوروں کی جُوتیاں صاف کرے،نندوں کے کپڑے دھوئے،شوہر کے دیگر رشتہ داروں کی خدمت پر مستعدر ہے۔اتنے پھیلے ہوئے تقاضوں کی تکمیل کے لیے اُس بیچاری کو اپنے اوپر بے پناہ جبر کرنا پڑتا ہے۔اپنے راحت وآرام کو تجنا پڑتا ہے اور انسان سے بڑھ کر مشین بن کر گزارا کرنا پڑتا ہے۔(۸۰)

سُسرال کی خدمت اور شریعتِ اسلامیہ

قانونی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کی ممکنہ حد تک خدمت اور اطاعت کرے۔شوہر کی معروف میں اطاعت اس کے لیے بے پناہ اخروی سعادتوں اور انعامات کا موجب بنتی ہے۔شوہر ہی اس کی جنت ہے۔(۸۱)اس کی راحت کا بہر طور سامان کرنا۔اسے خوش رکھنے کا اہتمام کرنا(۸۲) اچھی بیوی کے بلند ترین اوصاف میں سے ہے۔ایک شخص کے لیے دنیاوی انعامات میں سے سب سے بڑا انعام اچھی بیوی کو قرار دیا گیا ہے۔لیکن یہ تصور کہ ایک عورت اپنے سسرالی گھرانے کے ہر فرد کی خدمت اور اطاعت کی مکلف ہے۔قرآن وسنت کی رو سے اس پر لازم نہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں۔بعض آدمی اس کو بڑی سعادت سمجھتے ہیں کہ بیوی کو اپنی ماں کا محکوم و مغلوب بنا کر رکھیں اور اس کی بدولت بیویوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں سو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرتے تم سعادت مند ہو تو خود خدمت کرو یا خدمت کے لیے نوکر لاؤ۔(۸۳) نندوں یا دیوروں کی خدمت بھی اس کا فرض نہیں ''نندیں یہ سمجھتی ہیں کہ بھائی ہمارا ہے،گھر ہمارا ہے۔والدین ہمارے ہیں جبکہ بھابی اجنبی ہے۔اس سے حقیرانہ سلوک کیا جائے،گھر کے کام کاج اس پر لاد دیئے جائیں اور خود فارغ بیٹھ کر چغلیاں اور غیبتیں کی جائیں ساس بھی انہی کا بھر پور ساتھ دیتی ہے نتیجتاً گھر میں چپقلش چل نکلتی ہے۔ہر وقت تو تو،میں میں کی کیفیت رہتی ہے۔لڑکی کی کوشش ہوتی ہے کہ یا تو زیادہ وقت میکے گزارے یا پھر شوہر کو گھر والوں سے علیحدہ کرے۔(۸۴) یہ تصور کہ ایک عورت اپنے سُسرالی گھرانے کے ہر فرد کی خدمت اور اطاعت کی مکلف ہے۔قرآن وسنت کی رُو سے سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔اسلام نے اُسے شوہر کے سب رشتہ داروں اور عزیزوں کی خدمت کا ذمہ دار نہیں بنایا ہے۔شوہر کے بھائیوں کے چونچلے اٹھانا اور اُن کی خدمت میں مستعد رہنا تو در کنار اُن کے ساتھ زیادہ میل جول اور بے تکلفی شرعاً ممنوع ہے۔ساس سُسر کے آرام کے لیے کچھ انتظامات کر دینا شوہر کی دلبستگی اور خوشنودی

کے حوالے سے یا عام انسانی اخلاق کے نقطۂ نگاہ سے قابلِ قدر ہے لیکن یہ عورت کے فرائض میں داخل سمجھنا کم عقلی اور دین نافہمی کی علامت ہے۔ یہ کم عقلی اور دین سے بے بہرہ پن اکثر عورت کے لیے ایک بارگراں ثابت ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ جبر وزیادتی اور مشقت کی چکی میں پستی ہیں۔(۸۵)

پاکستانی معاشرہ اور سسرال کی خدمت......اخلاقی حل

ہمارے ملک کی نوے فیصد آبادی (یا اس سے بھی زائد) ان گھرانوں پر مشتمل ہے جو شادی کے فوراً بعد اپنے بیٹے اور بہو کو الگ گھر بنا کر دینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ کچھ نہ کچھ عرصہ اور بعض صورتوں میں طویل عرصہ تک بہو بیٹے کو اپنے سسرال (یا والدین) کے ہاں رہ کر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ ایسی مثالیں بھی ہمارے معاشرے میں عام ہیں کہ بیٹے کی شادی محض اس مقصد کے لیے کی جاتی ہے کہ گھر میں بوڑھے والدین کی خدمت کرنے والا کوئی دوسرا فرد موجود نہیں۔ بہو کی صورت میں گھر کو ایک سہارا مل جائے گا۔ عرب معاشرہ جہاں مشترکہ رہن سہن کا رواج نہیں تھا۔ شادی کے بعد لازماً گھر علیحدہ کر دیا جاتا تھا اور آج بھی یہی طریقہ کار رائج ہے وہاں بھی بعض استثنائی حالتوں میں سسرال کی خدمت کا تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شادی کا علم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ میں نے کہا بیوہ سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کنواری عورت سے شادی کیوں نہ کی؟ وہ تم سے اور تم اس سے دل لگی کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میری (سات یا نو) بہنیں گھر میں ہیں اس لیے مجھے یہ اچھا لگا کہ ایسی خاتون سے شادی کروں جو میری بہنوں کی دیکھ بھال اور تربیت کرے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جابر جب گھر جاؤ تو سمجھداری سے کام لینا۔(۸۶)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سسرال کی خدمت اخلاقی لحاظ سے پسندیدہ اور مستحسن ہے لیکن قانونی حیثیت سے لازم نہیں کیونکہ اگر لازم ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر ضرور فرماتے کہ خواہ کنواری سے کرو یا بیوہ سے تمہاری بہنوں کی خدمت کرنا تو اس پر لازم ہے۔'' اس حدیث سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی مجبوری کی بناء پر اپنے سے کم حیثیت والی عورت سے شادی کی تا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرے۔ اگر یہ خدمت عورت پر لازم ہوتی تو پھر کسی بھی عورت سے کی جا سکتی تھی۔

حضرت کبشہ بنتِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے سسر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے وضو کا پانی لائیں تا کہ انہیں وضو کرائیں۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے وضو کروانا شروع کیا تو ایک بلی آئی اور برتن سے پانی پینے لگی۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے برتن بلی کے آگے کر دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا بلی نجس نہیں ہے۔''(۸۷) اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ صحابیات میں سسرال کی خدمت کا تصور موجود تھا۔

''سسرال کی خدمت کا ایک نہایت نازک اور اہم پہلو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کے لیے اس کے ماں باپ کو اس کی جنت یا جہنم قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد پر والدین کی خدمت کرنا، اطاعت کرنا اور ہر حال میں انہیں راضی رکھنا واجب ہے۔ اس کے ساتھ ہی عورت کے لیے اس کے شوہر کو اس کی جنت یا جہنم قرار دیا گیا۔ گویا پورے خاندان والدین (سسر اور ساس) بیٹا (شوہر) بیوی (بہو) کو باہم اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کر دیا گیا ہے کہ ان کے دنیاوی اور اخروی معاملات ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن ہی نہیں۔ بیٹا اپنے والدین کی خدمت کا پابند ہے۔ بیوی اپنے شوہر کی خدمت کرنے کی پابند ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بیٹا تو دن رات والدین کی خدمت پر کمر بستہ رہے اور بیوی، شرعاً سسرال کی خدمت واجب نہیں'' کے فتوے کی چادر اوڑھ کر مزے کی نیند کرتی رہے۔ اس سے نہ صرف بزرگوں کی زندگی تلخ ہوگی بلکہ خود میاں بیوی کے درمیان ایک مستقل جھگڑے کی صورتِ حال پیدا ہو جائے گی۔''(۸۸) عملاً یہ صورتِ حال اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ بہو پر سسرال کی خدمت لازم سمجھتے ہوئے اس سے خدمت کا ہر کام لینا حق سمجھا جاتا ہے جبکہ اس کے والدین کا احترام ضروری نہیں سمجھا جاتا بلکہ بعض اوقات بہو کے سامنے اس کے والدین کے بارے میں طعن وتشنیع سے کام لیا جاتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ بہو بھی ساس سسر کو اپنے والدین کی طرح احترام دے ان کی خدمت کرے اور داماد بھی بیوی کے والدین کے ساتھ احترام اور حسنِ سلوک پر مبنی رویہ اپنائے تاکہ دونوں خاندان جڑ کر پیار و محبت سے رہیں۔ ''بیوی کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھے کہ اس کے سسر اور ساس نے اس کے خاوند کی بچپن میں پرورش کی اور جب وہ بڑا ہوا تو اسے تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کیا۔ بیوی کو جان لینا چاہیے کہ بدلا چکانے والا شخص نہیں مرتا۔ اور جیسا کوئی کسی سے سلوک کرتا ہے اس سے بھی ویسا ہی کیا جائے گا۔ اس لیے آج اگر عورت اپنے خاوند کے والدین سے اچھا سلوک کرے گی تو کل اس کے بیٹوں کی بیویاں بھی اس کے بڑھاپے میں اچھا سلوک کریں گی۔ اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے اللہ اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتا''(۸۹)

حوالہ جات وحواشی

(۱) النساء ٤: ٣٤ (۲)سید سابق، فقه السنة ،دارالفکر بیروت۔٢/ ١٤٨

(۳) اشرف علی تهانوی،مولانا، تحفه زوجین ،ترتیب مفتی محمد زید،طاهر سنز لاهور،١١٩۔١٢٠

(٤)سید سابق ، فقه السنة ٢/ ١٤٧ (٥) البقره ٢: ٢٣٣

(٦) الطلاق ٦٥:٧ (٧) مسلم ، کتاب الحج، باب حجة النبی (ح ١٢١٨)

(٨) ابو دارؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرأة علی زوجها (ح ٢١٤٢)

(٩) بخاری، کتاب النفقات، باب اذآلم ینفق الرجل (ح ٥٣٢٤)

(١٠) بخاری، کتاب النفقات باب خدمة الرجل فی اهله (ح٥٣٦٤)

(١١) بخاری، کتاب النفقات، باب وجوب النفقه علی الأهل والعیال (ح ٥٣٥٥) ، مسلم، کتاب الزکاة باب فضل النفقه علی العیال (٩٩٦)

(١٢)الجزیری،عبدالرحمان ، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه ،دارالفکر للطباعه والنشر والتوزیع بیروت ٤/ ٥٥٣

(١٣) فتاویٰ عالمگیری ٢/ ١٤٤، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه ٤/ ٥٥٣

(١٤) ابن رشد بدایة المجتهد و نهایه المقتصد،مطبعه مصطفی البابی الحلبی مصر، ٢/ ٥٤، البدائع الصنائع ٤/ ١٥، فتح القدیر ٣/ ٣٢١، المغنی ٦/ ٧٤١

١٥) الأحوال الشخصیه لأبی زهره، ص ١٦٩ (١٦) البقره ٢: ٢٣٣

(١٧)ابن حزم،ابو محمد علی بن احمد ، المحلیٰ اداره الطباعه المنیریه مصر، ١٠/ ٩٢

(١٨)ابن حجر عسقلانی،شهاب الدین علی بن احمد، فتح الباری،دارالمعرفه بیروت لبنان ، ٩/ ٦٢١

(١٩)البقره ٢: ٢٣١

(٢٠)الشوکانی ،محمد بن علی بن محمد، نیل الأوطارشرح منتقی الاخبار،مصطفی البابی الحلبی مصر، ٦/ ٢٦٤

(٢١)الدار قطنی، سنن ،مکتبه الحدیثه ،ریاض،(ح ٣٧٤١) ٣/ ٢٩٧

(٢٢) التعلیق المغنی ٣/ ٢٩٧ (٢٣) بدایة المجتهد ٢/ ٥٤

(۲٤) مودودي ، ابو الاعلی ، مولانا،حقوق الزوجين ،ادارہ ترجمان القران لاهور ،ص ١٢٤
(٢٥) صلاح الدين يوسف،حافظ، عورتوں کے امتیازی مسائل وقوانین، دارالسلام لاہور ص۲۳۱
(۲٦)بداية المجتهد ۵۲/۲ (۲۷) ایضاً
(۲۸)تنزیل الرحمان ،ڈاکٹر، مجموعہ قوانینِ اسلام ادرہ تحقیقات اسلامی اسلام اباد، ۳۲۷،۳۲۵/۱
(۲۹) فتاویٰ عالمگیری ۱٤٤/۲ (۳۰) فقه السنة ۱٤۷/۲
(۳۱) کنزالدقائق ص ۱۵۳، هدایه ۲۲۱/۲ ۳۲)عورت کا المیہ ص۶۹
(۳۳)نعیم صدیقی ،مولانا،عورت معرض کشمکش میں الفیصل ناشران لاہور،ص۲۶۲
(۳۴)مبشر حسین لاہوری،هدية العروس مبشر اکیڈمی لاهور ص ۳۵۲
(۳۵) پاکستانی معاشرہ اور ثقافت ص۱۹۴ (۳٦)هدية العروس ص ۳۲۹
(۳۷) الطلاق ٦:٦٥
(۳۸) ابن قدامه، المغنی ۲۳۰/٦، شرح مسلم للنوی ۱۸٤/۸
(۳۹) فتاویٰ عالمگیری ۱٤٤/۲، كتاب الفقه على المذاهب الاربعه ٥٥٣/٤
(٤٠) النور ٢٤: ٢٧ (٤١) الاحزاب ۳۳: ۳۳
(٤٢) ایضاً، ٣٤ (٤٣) الاحزاب ۳۳: ۵۲
(٤٣) تفسیرجلالین ص ٦٧٥ (٤٥) الحجرات ، ٤
(٤٦) بخاری، کتاب النکاح، باب العیزة (ح ٥٢٣٥) (٤٧) المغنى ٢٣٧/٦
(٤٨) فتاویٰ عالمگیری ۱٤٧/٢، شرح وقایه ص ٤٩١
(٤٩) الأحوال الشخصية لأبی زهره ص ٢٤١، الأحوال الشخصية لمحمد محى الدين ص ٢٦٦
(٥٠) العقد الفريد ٣٢٦/٢
(٥١) اصلاح انقلاب ١٨٧/٢ بحواله تحفه زوجين ص ٣٢
(٥٢) ماخوذ از هدية العروس ص ٣٢٠ـ ٣٣٢ (٥٣) البقره ٢: ٢٢٧
(٥٤) الفقه الاسلاميه وادلته ٦٨٤٥/٩
(٥٥) بخاری کتاب الاحکام، باب قول الله تعالیٰ اطيعوا الله (ح ٧١٣٨)، مسلم، کتاب الاماره، باب فضيلة الأميرا العادل (ح ١٨٢٩)
(٥٦) البقره ٢: ٢٢٨ (٥٧) فقه السنه ٧٦/٢

(۵۸) الروم ۳۰:۲۱ (۵۹) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ البقره ۲: ۲۳۲
(٦٠) المحلیٰ ١٠/٧٤ (٦١) النساء ٤: ٣٤
(٦٢) مسلم، كتاب الحجج، باب حجة النبى (ح ١٢١٨) (٦٣) النساء ٤: ٣٤
(٦٤)المحلیٰ ١٠/٧٤ (٦٥) النساء ٤: ٣٤
(٦٦) زادالمعاد ٥/١٨٨ (٦٧) مجموع الفتاوىٰ ٣٢/٢٦٠-٢٦١
(٦٨)ترمذی، كتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة على زوجها (ح ١١٦٣)
(٦٩) زادالمعاد ٥/١٨٨، مجموع انفتاوىٰ ٣٤/٩٠
(٧٠) آداب الزفاف ص ٢٨٩بحواله مسنون شادی ص ٦٩
(٧١) الهدى النوى ٥/١٨٨- ١٨٩
(٧٢) بخاری ، كتاب النفقات، باب عمل المرأة فى بيت زوجها (ح ٥٣٦١)
(٧٣) زادالمعاد . ١٨٦:٥
(٧٤) بخاری، كتاب الحج باب الغيره (ح ٥٢٢٤) (٧٥) زادالمعاد ٥/١٨٨
(٧٦) بخاری، كتاب النفقات، باب خدمة الرجل فى اهله ح ٥٣٦٣
(٧٧) بخاری، كتاب النكاح باب حسن المعاشره (ح ٥١٨٩)
(٧٨) بخاری، كتاب الحج باب الغيرة (ح ٥٢٢٤)
(٧٩) فتح القدير ٣/٣٢٩، المبسوط ٥/١٨٢
(٨٠) عورت اور دورِ جدید ص ٢٨ (٨١) احمد بن حنبل،مسند،٤/٣٤١
(٨٢) بخاری (ح٥٢٠٥) (٨٣) اصلاع انقلاب ٢/١٨٧
(٨٤) هدية العروس، ص ٣٢٨ (٨٥) عورت اور دورِ جدید ص ٤٨
(٨٦)بخاری، كتاب البيوع، باب شراء الاداب (ح ٢٠٩٧) ، مسلم، كتاب الرضاع، باب استحباب نكاح البكر (ح ٧١٥)، ترمذی كتاب النكاح (ح ١١٠٠)، ابو داؤد ، كتاب النكاح (ح ٢٠٤٨)، نسائی، كتاب النكاح (ح ٣٢٢١)، ابن ماجه، كتاب النكاح، (ح ١٨٦
(٨٧) ابو داؤد، كتاب الطهاره
(٨٨) اقبال کیلانی، نکاح کے مسائل، ص: ٣٨ - ٣٩ ،
(٨٩) تحفۃ العروس ص ۳۱۶